باب۔15

حدیث اور اختلافِ ائمہ

☆ قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَكَذَّبْتُم بِهِ مَا عِندِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ۔

ترجمہ: (اے پیغمبر) تم کہہ دو کہ میں اللہ کی طرف سے مذہبِ حق (دلیلِ روشن) پر ہوں اور تم ہو کہ اس کو جھٹلائے چلے جا رہے ہو۔ (جھوٹے پر عذاب کا آنا) جس کے لیے تم جلدی کر رہے ہو (وہ میرے ہاتھ میں نہیں) وہ میرے پاس نہیں۔ ایسا حکم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ وہ جو کچھ بیان فرماتا ہے حق ہے اور جو فیصلہ کرتا ہے بہتر ہے۔ (سورۃ الانعام: آیت 57)

صاحبو! آج کل ایک وبا پھیلی ہوئی ہے کہ ہم قرآن کے سوا، نہ تو حدیث کو مانیں گے اور نہ ہی کسی امام کے قول کو۔ یہ خود تو قرآن کی آیتوں کے من مانے معنی بیان کر لیتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ جان لینا اور مان لینا چاہیے کہ قرآن، عربی میں ہے۔ اس کے سمجھنے کے سب سے زیادہ مستحق "اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَ الْعَجَمِ" یعنی خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر اصحابِ رسولؐ ہیں اور ائمہ ہُدیٰ ہیں۔ یہ لوگ تو عربی کی چار سطریں دُرست پڑھ نہیں سکتے۔ محاوراتِ عرب سے بالکل ناواقف ہیں۔ ان میں قوتِ استنباط یعنی sense of deduction بھی بالکل نہیں ہوتی۔ بس کسی اردو ترجمہ کو دیکھ لیا اور لگے ڈینگ مارنے کہ "میں قرآن سمجھتا ہوں۔ احکام، استنباط کرتا ہوں"۔ اس جہل پر یہ شیخی۔۔! لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللہِ۔

غور کرو کہ اپنا کوئی مقدمہ چلتا ہے اور court case پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے سینکڑوں ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں اور بیرسٹر اور وکیل کو مقرر کرتے ہیں۔ اسی پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہی مختلف قوانین کا مناسب استعمال اور ان کی بہتر توضیح یعنی interpretations کر سکتا ہے، حالانکہ سارے حکومتی قوانین انگریزی یا اردو میں ہوا کرتے ہیں۔ بتلاؤ! کیا تم میں عربی قرآن سمجھنے کی واقعی اتنی ہی طاقت ہے؟ اللہ سے

ڈرو۔ سمجھ سے کام لو۔ جس طرح تم وکیلوں پر اعتماد کرتے ہو اسی طرح ائمہ پر بھی اعتماد کرو۔ حدیث سے انکار کرنا، توبہ توبہ، پیغمبر سے انکار کرنا ہے۔

یاد رکھو!" میں حدیث کو نہیں مانتا" یہ مساوی ہے" محمد رسول اللہ کو نہیں مانتا" کہنے کے۔ محمد رسول اللہ سے انکار کرکے قرآن کو ماننے کا دعویٰ کفر ہے۔ تم کو قرآن ملا کہاں سے۔۔؟ کس نے کہا کہ یہ قرآن ہے۔۔؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔۔۔ محمد رسول اللہ کو نہ ماننا اور قرآن کو ماننا یہ دونوں ہرگز نہیں جمع ہوسکتے۔ ضعیف راوی کو نہ ماننا الگ چیز ہے اور حدیث کو نہ ماننا الگ چیز۔

مگر میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ موضوع اور ضعیف حدیثوں کو بھی مان لو۔ تحقیق کرو، روایت کو دیکھو۔ لیکن صحیح اور مشہور حدیثوں کو نہ ماننا بڑا خطرناک کام ہے۔ اور متواتر کا انکار تو کفر ہے۔**وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا**، یعنی اور رسول جو تم کو دیں اسے لے لو، اور جس سے منع کریں اس سے دور رہو، (سورۃ الحشر: آیت 7)۔

❖ دیکھو! حدیثیں (ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تین قسم کی ہیں:

(1) متواتر (2) مستفیض (3) احاد

- حدیثِ متواتر: وہ حدیث ہے جس کو اتنے لوگ روایت کریں کہ عقلِ سلیم اس بات کو قبول نہ کرے کہ وہ سب جھوٹ پر متحد ہوگئے ہوں گے۔ لہٰذا خبرِ متواتر پر یقین کرنا ضروری ہے۔

حدیثِ متواتر کی دو قسمیں ہیں: (الف) متواتر باللفظ (ب) متواتر بالمعنی

- حدیثِ مستفیض: وہ حدیث ہے جو کئی روایتوں سے ثابت ہو مگر تواتر کی حد کو نہ پہنچے۔
- خبرِ احاد: حدیث کی وہ روایتیں ہیں جن کو صرف چند ہی نے بیان کیا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ سارے جھگڑے خبرِ احاد حدیثوں ہی میں پڑتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے کسی نے کہا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے تین جھوٹ کہے۔ امام اعظمؒ نے فرمایا۔ نہیں، دراصل روایت کرنے والے نے ایک جھوٹ کہا، کیونکہ پیغمبر تو معصوم ہوتا ہے اور وہ جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ گویا جھگڑا تو راوی سے ہے پیغمبر سے نہیں۔ ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ خبرِ احاد کے غلط ثابت ہونے سے تمام احادیث ناقابل اعتبار نہیں بن جاتیں۔ ایسے شوشے وہ لوگ چھوڑتے ہیں جن کو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

Sadiqui Publications

یاد رکھنا چاہیے کہ عالم اور جاہل دونوں برابر نہیں ہوتے۔ عالم کا بڑا مرتبہ ہوتا ہے۔ لوگوں کا کام ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو اس کو عالموں سے پوچھیں۔ ان سے سوالات کریں، ان پر اعتماد کریں۔ اور ان کے فتوؤں پر عمل کریں۔ اہم اصول یہ ہے کہ بلا تحقیق کوئی بات بھی قابلِ تسلیم نہیں ہوتی۔ علماء کو تحقیق کرنی چاہیے، خواہ آیاتِ قرآنی ہوں یا احادیثِ رسولؐ۔ تمام تحقیق اور تمام قیاسات کا مأخذ قرآن اور حدیث کا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر ایسا نہیں تو درست نہیں۔

یاد رکھو کہ یہ ایک نیچرل سی بات ہے کہ ہر شخص اپنے اساتذہ، اپنے خاندان اور اپنے شہر کے لوگوں کے حالات سے واقف ہوتا ہے۔ اور ان ہی پر زیادہ اعتماد رکھتا ہے۔ وہ دوسروں کے تفصیلی حالات سے نہ تو پوری طرح واقف ہوتا ہے۔ اور نہ ہی ان پر اعتماد کر سکتا ہے۔

مالکی لوگ اہلِ مدینہ کے متعلق کسی دوسرے شہر کا آدمی روایت کرتا تو یہ سمجھتے کہ اس نے گویا تمام خلفائے راشدین اور مرکزِ نبوت، یعنی مدینہ اور اس کے رہنے والوں کو جاہل سمجھا۔ جب کہ دوسرے مذاہب والے، یعنی حنفی، حنبلی اور شافعی حضرات اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں ایسا ممکن ہے کہ کسی بات پر اہلِ مدینہ بے خبر رہے ہوں، اور دوسرے شہر والوں کو اس کی اطلاع مل گئی ہو۔

حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ تھا کہ ہر حکم کے بارے میں شہادت کے نصاب کے موافق ثبوت طلب کرتے تھے۔ یعنی دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی روایت کے بغیر کوئی حکم ثابت نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی حکمِ نبویؐ سنایا جاتا اور نصابِ شہادت پورا نہ ہوتا تو قسم دیتے اور قسم کو تکملۂ شہادت (perfect testimony) سمجھتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اصحاب، مثلاً زبیر ابن العوامؓ، الفاظِ نبوی حفظ ہوتے تو روایت کرتے ورنہ نہیں۔ یعنی روایت بالمعنی کو وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جب کہ دوسرے اصحاب، روایت بالمعنی کو جائز سمجھتے تھے۔

بعد کے ائمہ کے پاس عام لوگ آتے اور ان سے سوال کرتے کہ اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟ ان کو ائمہ پر ایسا اعتماد ہوتا کہ وہ نہ قرآن پوچھتے نہ حدیث، امام جو حکم دیتا اس پر عمل کرتے۔

بعض ائمہ ہر سوال کا جواب قَالَ اللّٰہْ اور قَالَ الرَّسُوْلْ سے دیتے۔ متعلقہ آیات کے علاوہ متنِ حدیث سنا دیتے اور سند بیان نہ کرتے۔ ایسی حدیث کو حدیثِ مُرسل کہتے ہیں۔ حنفی مذہب میں حدیثِ مرسل قابلِ اعتبار

سمجھی جاتی ہے۔ امام بخاریؒ استاد و شاگرد کی ملاقات کو ضروری سمجھتے ورنہ حدیث قبول نہیں کرتے۔ جب کہ امام مسلمؒ، دونوں کے ہم زمانہ ہونے کو کافی سمجھتے۔ وہ بعض ضعیف حدیث کو بھی مستحبات کے لیے قابلِ عمل سمجھتے۔

پس یہ واضح ہوا کہ ائمہ کے مختلف مذاق ہیں۔ ہر ایک اپنے ذوق کے موافق حدیث کو قبول کرتا ہے۔ لیکن کوئی امام ایسا نہیں جو بلا تحقیق اور بلا شرط صرف حدیث کا نام سنتے ہی اس پر عمل کرنے کو تیار ہو جاتا ہو۔ اصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے درمیان مختلف قسم کے راوی ہیں۔ ان کی تنقید و تحقیق یقیناً ضروری ہے۔

صحابہؓ کے زمانے میں رائے کا اختلاف ہوتا تھا لیکن باہم ایک دوسرے کو باطل اور بے دین نہیں سمجھتے تھے۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ مگر افسوس! اب یہ کیسا زمانہ آگیا ہے کہ آمین بالجہر اور رفع یدین کرنے والوں کی مسجد جدا ہے اور حنفی و شافعی کی مسجد الگ۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرتے ہیں! حتیٰ کہ آپس میں مقدمہ بازی تک کرتے ہیں۔۔۔!

ایک اور غلط فہمی بھی عام طور سے چھائی ہوئی ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اپنے اپنے اماموں کی تقلیدِ شخصی کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ چار خاندان ہیں، چار اسکول ہیں۔ ہر خاندان کا ذوقِ تحقیق جدا ہے۔ اپنا اپنا مذاق ہے۔ لیکن خَشْیَۃِ اللہ سب میں موجود ہے۔ حق کی تلاش سب کو ہے۔ یاد رکھنا کہ مختلف فیہ یعنی ذیلی باتوں میں آپس کی جنگ مناسب نہیں۔

{ حوالہ تفسیر صدیقی- پارہ 7 صفحہ 80 تا 82 پارہ 28 صفحہ 20 اور مقدمہ صفحہ 52 تا 63}

Siddiqui Publications